عہد شباب کی تربیت کا نبوی منہج
(تاریخی اور عصری صورت حال کا تجزیاتی مطالعہ)

ڈاکٹر ارشد منیر*
ڈاکٹر نسیم اختر*

It is believed that youth is the most important period of life. This is the time in which opinions, habits and beliefs are formed, and it is important for the time to be spent in personal development. The progress of any nation and country is based upon its youth, who head their families and becomes defender of their nation. History surfaces the names of great leaders and defenders such as Hazrat Ali, Hazrat Aiysha, Muhammad Bin Qasim, Haroon Ur Rasheed, Mahmood Ghaznavi etc. They are the real heroes and pride for the nations for their feats to the end of the world. Most of the leaders and heroes in the Muslim history belong to youth. They were given the titles such as "the door to the city of knowledge, sword of God, and conqurar of Sindh etc. in their youth time. If we compare the services of our new generation, we observe a big gap in attitude, little seriousness, and unfamiliarity to provide solutions of problems. The reason behind this is, the losing interest in education and research. An uneducated mind shows an irresponsible behaviour, and a non-serious thought subsequently bring forward the futile conduct. This affects the society and puts it in an awful situation by growing crimes. Today's severe crimes such as terrorism, killing, robbery, kidnapping rooted from the unhealthy activities. Our youth is not being followed and trained on the footstep of our Holy Prophet. There is a dire need to educate our young generation and to provide a platform of healthy activities to build their moral values, and to bring them forward in developing their society to real standards. They must be known of their responsibilities, and understand the ways to lead their families, nation, and country. Muslim youth can contribute to Islam by giving time, talent and money. They should also play a significant role to bring about positive change in society. This article is written in the same context.

Keywords: Islamic Heroes, Pakistani society, Seerah, Youth.

تعارف و تمہید:

ہر قوم وملت کی ترقی کی ضامن ان کی نوجوان نسل ہوتی ہے۔یہی نوجوان نسل سربراہِ خاندان اور ملک وقوم کے رکھوالے ہوتے ہیں۔اگر ہم تاریخ کے جھروکوں سے دیکھیں تو سکندر اعظم، محمد بن قاسم اور چودھری رحمت علی خان جیسے کئی نام سامنے آتے ہیں۔جنھوں نے بے شمار کارہائے نمایاں انجام دیئے

*چیئرمین، شعبہ اسلامیات، جامعہ گجرات، گجرات۔
*شعبہ اسلامیات، شہید بے نظیر بھٹو وومن یونیورسٹی، پشاور

اور جن پر قومیں رہتی دنیا تک فخر کرتی رہیں گی۔ آج کا نوجوان اس دوڑ میں اس لئے پیچھے رہ گیا ہے کہ اس کی دلچسپی تحقیقی وعلمی میدان میں کم ہو گئی ہے اور وہ اپنا مقصدِ حیات بھول کر خرافات میں سرگرم اور مصروفِ عمل ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اس کی اخلاقی، ذہنی، تعلیمی اور روحانی تربیت متاثر ہو گئی ہے اور معاشرہ میں چوری، ڈاکہ زنی، دہشت گردی اور قتل وغارت گری کی وارداتیں عام ہو رہی ہیں اور یہ بگاڑ معاشرہ میں گہرائیوں تک سرائیت کر چکا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوان نسل میں اخلاقی، ذہنی، روحانی اور تعلیمی ذمہ داریاں اجاگر کی جائیں تاکہ وہ اپنے فرضِ منصبی کو سمجھ سکیں اور ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکیں، کیونکہ یہی نوجوان ہمارے معمارِ قوم ہیں۔ یہ مقالہ اسی تناظر میں لکھا جا رہا ہے۔

اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے اور عدل وانصاف کا ضامن ہے اس لئے کسی بھی قسم کے تشدد اور جرائم کے فروغ کی ممانعت فرمائی گئی ہے خواہ وہ روزمرہ، خانگی، معاشرتی یا معاشی زندگی سے متعلق ہو۔ اسلام ایک پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی گزارنے کی تلقین کرتا ہے جو اسلامی تعلیمات اور اخلاقی تقاضوں کے عین مطابق ہو تاکہ معاشرہ میں امن وامان قائم رہے "انسان اپنے آپ کو اس دنیا میں موجود پاتا ہے اس کے پاس ایک جسم ہے جس میں بہت سی قوتیں بھری ہوئی ہیں۔ اس کے سامنے زمین وآسمان کی ایک عظیم الشان بساط پھیلی ہوئی ہے جس میں بے حد وحساب اشیاء ہیں وہ ان اشیاء سے کام لینے کی قدرت اپنے اندر پاتا ہے۔ اس کے گرد وپیش بہت سے انسان، جانور، نباتات اور جمادات وغیرہ ہیں اور ان سب سے اس کی زندگی وابستہ ہے"۔ [1] اب یہاں ضرورت اس امر کی ہے کہ اس بات کو سمجھ لیا جائے کہ کائنات اور اس کی ہر چیز بحکم خداوندی وجود میں آئی ہے اور اس کی تخلیق کا مقصد انسان کا اس سے فائدہ حاصل کرنا ہے لیکن یہاں اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ اسلامی تعلیات کے مطابق اپنے اختیارات کو استعمال اور بروئے کار لائے ، کیوں کہ ہر چیز کا حساب کتاب اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے دینا ہے۔ انسان کو اگر اس دنیا میں بھیجا گیا ہے تو اس کے پیچھے بھی کوئی نہ کوئی مقصد ہے جس کی تکمیل خدا اس بندہءبشر سے چاہتا ہے۔ اسے دنیا میں یوں ہی نہیں چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ اسے جو اختیارات اور وسائل دیئے گئے ہیں وہ ان سب کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہو گا اس لئے انسان جو بھی عمل اور طریقہءزندگی دنیا میں اختیار کرے، یہ سوچ سمجھ کر اختیار کرے کہ اس کا حساب اس نے دینا ہے۔

جیسا کہ قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ[2]

ترجمہ: "اے پیغمبر کہہ دو کہ اصلی ہدایت صرف خدا ہی کی ہدایت ہے"۔

انسان کے لئے دینِ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ ایسا نہیں ہے جس میں عدل موجود ہو وہ جس راستے پر بھی چلے گا وہ بالآخر ظلم ہی کی طرف جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ:وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فقدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ۔[3]

ترجمہ: "جو اللہ کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرے اس نے اپنے اوپر ظلم کیا"۔

ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔ [4]

ترجمہ: "جو اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی ظالم ہیں"۔

تاریخ اسلامی کے قابل فخر سپوت

انسان اور اس کے عمل کا باہمی تعلق ویسا ہی ہے۔ جیسا بیج اور درخت، کھیت اور کھلیان اور بادوباراں کا تعلق ہے۔ انسان جو بوئے گا وہی عملی صورت میں کاٹے گا اگر وہ اچھا انسان ہو گا تو اس کے اعمال بھی بہترین ہوں گے اور اگر وہ برا انسان ہو گا تو اس کے اعمال بھی برے ہوں گے جس سے معاشرہ میں شر وفساد، ظلم وزیادتی اور افراتفری کا سماں پیدا ہو گا اسی طرح ہر قوم وملت کی ترقی کی ضامن اس کی موجودہ یا آنے والی نسل ہوتی ہے کیونکہ نوجوانی کی عمر صلاحیتوں کو بڑھانے اور نکھارنے کی ہوتی ہے یہی وہ عمر ہے جس میں نوجوان علمی تشنگی کو اچھی طرح سے بجھا سکتا ہے اور علوم کے مختلف منازل طے کر سکتا ہے۔ عمر کے اسی مرحلے میں نوجوان صحابہؓ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیےف۔ اسی عمر میں حضرت اسامہ بن زیدؓ نے قیادت کی ذمہ داری سنبھالی، حضرت خالد بن ولیدؓ نے بارگاہِ نبوت سے سیف اللہ کا لقب حاصل کیا۔ دورِ شباب ہی میں حضرت علیؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، اور چار عباد اللہ جن میں ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ اور ابن عمرو ابن العاصؓ نے اللہ کے رسولؐ سے شانہ بشانہ عہد وپیمان باندھا۔ اسی نوجوانی کی عمر میں ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اور امام غزالی جیسے مجدد علوم کی گہرائیوں میں اترے، اسی دور شباب میں صلاح الدین ایوبی، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم نے اسلامی تاریخ کو اپنے کارناموں سے منور کیا۔ اسی عمر میں حسن البنا شہید نے مصر کی سرزمین کو جہاں فرعون کے انمٹ نقوش ابھی بھی بہر تلاطم کی طرح باقی ہیں دعوت الی اللہ کے لیے مسکن بنایا۔

مولانا ابو الکلام آزاد نے صحافت کا میدان نوجوانی ہی میں اختیار کیا اور سید مودودی نے 23 سال کی عمر

میں ہی الجہاد فی الاسلام جیسی معرکہ آرا کتاب لکھ کر تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جن کا اس وقت نہ صرف غیر مسلم بلکہ مسلمان بھی شکار تھے۔ اللہ کے رسولؐ نے اسی عمر کو غنیمت سمجھنے کی تلقین کی ہے کیونکہ بڑے بڑے معرکے اور کارنامے اسی عمر میں انجام دیے جاسکتے ہیں اگر کسی ملک و قوم کے معمار بہادر، دلیر، دین دار، دور اندیش، تعلیم و تدریس کے شائق، بڑوں کے حقوق کو سمجھنے والے، جہاں بانی کی صفات رکھنے والے، عقل و دانش اور سوجھ بوجھ کے مالک اور محنتی ہوں گے تو ایسی قومیں ترقی کرتی ہیں اور کامیابی کے منازل کو چھوتی ہیں اور اگر ملک و قوم کے معمار سست، کاہل، آرام پسند، عیش و عشرت کے دلدادہ، رقص و سرور کی محفلیں پسند کرنے والے، محنت سے جی چرانے والے، درس و تدریس کی محفلیں پسند نہ کرنے والے اور اسلامی تعلیمات کو فراموش کرنے والے ہوں تو ایسی حکومتیں ہمیشہ تنزل کا شکار رہی ہیں اور صفحہ ءہستی سے مٹ چکی ہیں اگر تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی کی جائے تو بے شمار نوجوانوں کے نام ہمارے سامنے آتے ہیں جن کے نام سنہری حروف سے تاریخ کی صفات پر لکھے گئے ہیں جنھوں نے اپنے کارناموں کی بدولت دنیا کی تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل کیا ہے اور جن کو دنیا ان کے کارناموں کی وجہ سے رہتی دنیا تک یاد رکھے گی، ان عظیم ہستیوں میں سے چند کا ذکر میں اپنے اس مقالہ میں کرنا چاہوں گی تاکہ پڑھنے والوں کے سامنے تاریخ کے وہ اوراق لاسکوں جو یادِ ماضی بن چکے ہیں۔

حضرت علیؓ:

"حضرت علیؓ رسول کریم ﷺ کے چچا ابو طالب کے لڑکے تھے والد نے آپ کا نام اسد رکھا ، لیکن حضرت محمد ﷺ نے آپ کو علی کا نام دیا جو زیادہ مقبول ہوا۔ حیدر (شیر) اور مرتضیٰ (پسندیدہ) آپ کے دو لقب ہیں۔ آپؓ بنو ہاشم کے چشم و چراغ تھے جو کعبہ کے متولی ہونے کی بناء پر سارے عرب میں ممتاز تھے۔ ابو طالب تنگ دست تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے بچپن ہی سے حضرت علی کی کفالت اپنے ذمے لے لی تھی اس طرح آپ نے آنحضرت ﷺ کے زیرِ سایہ تربیت پائی اور جاہلیت کی تمام آلائشوں سے پاک رہے۔

طلوعِ اسلام کے وقت آپ کی عمر دس سال تھی۔ بچوں میں سے آپ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تین سال بعد جب تبلیغ عام کا حکم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے مہمانوں کے سامنے اسلام پیش کیا اور فرمایا: "تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے"۔ سب خاموش ہو گئے صرف ایک آواز بلند ہوئی۔ "گو میں

عمر میں چھوٹا ہوں گو مجھے آشوبِ چشم ہے اور میری ٹانگیں پتلی ہیں لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا یہ آواز حضرت علیؓ کی تھی"۔[5]

"ہجرت کی رات جب آنحضرت ﷺ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر روانہ ہوئے تو حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا دیا اس وقت اس بستر پر سونا موت سے کھیلنے کے مترادف تھا لیکن آپؓ اطمینان سے محو خواب رہے۔ صبح ہوئی تو کفار نے آپؓ کو گرفتار کر کے زدو کوب کیا اور آنحضرت ﷺ کا پتہ دریافت کیا، لیکن آپؓ نے کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا اس کے بعد دو تین دن میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق امانتیں واپس کر کے مدینہ منورہ روانہ ہوئے"۔[6]

"ہجرت کے بعد ۲ھ میں آپؓ کا نکاح آنحضرت ﷺ کی سب سے چھوٹی لڑکی حضرت فاطمہؓ سے ہوا۔ آپؓ نے غزوہء تبوک کے سوا سب غزوات میں شرکت کی۔ مجاہدین میں آپؓ کی حیثیت ہمیشہ نمایاں رہی۔ جنگِ بدر کی انفرادی جنگ میں آپؓ نے سالار قریش عتبہ کے دو بیٹوں ولید اور شیبہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بدر و احد میں ذوالفقار حیدری اس انداز سے چلی کہ دشمن کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ جنگِ احزاب میں آپؓ نے عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود کو ایک ہی وار میں ہلاک کر دیا۔ فتح خیبر کے موقعہ پر جب قلعہ قموص کے خلاف کئی مہمیں ناکام رہیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:" کل ایک ایسے شخص کو علم دیا جائے گا جس کے ہاتھوں قلعہ فتح ہو گا اور وہ خدا اور اس کے رسول کو محبوب ہے"۔ دوسرے دن آپ ﷺ نے حضرت علی کو علم عطا کیا ،چنانچہ انہوں نے سالار یہود مرحب کو قتل کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے آپؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا یمن کی مہم پر آپؓ کو روانہ کیا گیا تو وہاں آپؓ کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور بہت سے لوگ دائرہء اسلام میں داخل ہو گئے"۔[7]

"آپؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے چنانچہ اکثر کتابِ وحی کی خدمت انجام دیتے رہے۔ صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط آپؓ نے ہی قلم بند کیں۔ غرضیکہ ساری عمر آنحضرت ﷺ کے دستِ بازو رہے اور وفات کے بغیر تجہیر و تکفین کا شرف بھی حاصل ہوا۔ عہدِ خلافتِ راشدہ میں آپؓ مجلسِ شوریٰ کے ممتاز رکن رہے ، خاص طور پر حضرت عمرؓ کے مشوروں کو بہت پسند کیا کرتے تھے اور اکثر آپؓ ہی کی رائے پر عمل ہوتا تھا۔ آپؓ نے آنحضرت ﷺ کے آغوش میں تربیت پائی تھی۔ اس لئے آپؓ کی ذات خلقِ نبوی کا پیکر

اور تعلیماتِ اسلامی کی تصویر تھی۔ آپؑ کی ذات میں دو صفات یعنی علم و فضل اور شجاعت سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: انا مدینۃ العلم و علی بابہا فمن اراد العلم فلیات الباب۔[8]

ترجمہ: ''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے ،جو علم چاہتا ہے وہ دروازے سے آئے"۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:"[9]انا دار الحکمۃ و علی بابہا۔

ترجمہ: "میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے"۔

حضرت علی علیہ السلام اپنی شجاعت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

انا وضعتُ فی الصِغْرِ بکلاکلِ العربِ و کسرْتُ نواجِمَ قرونِ ربیعۃَ و مُضَرَ۔[10]

ترجمہ: "میں نے تو بچپن ہی میں عرب کا سینہ پیوندِ زمین کر دیا تھااور قبیلہ ربیعہ اور مضر کے ابھرے ہوئے سینگوں کو توڑ دیا تھا"۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"انِّی وااللہِ لو لقیتُہم واحداً و ہم طِلاعُ الارضِ کُلِّہا ما بَالَیتُ و لااستوحَشْتُ، وَ انِّی مِن ضَلالَہِم الَّذِی ہُم فِیہِ و الہُدیٰ الَّذِی انا علیہِ لَعلَی بَصِیرۃٍمِن نفسی و یقینٍ مِن ربِّی و انِّی الی لقائِ االلہِ و حسنِ ثوابِہ لمنتَظِرٌ راجٍ۔"[11]

ترجمہ: "اللہ کی قسم میں تن تنہا ان کے مقابلے کے لیے نکلوں اور زمین کی ساری وسعتیں ان سے چھلک رہی ہوں، جب بھی میں پرواہ نہ کروں اور نہ پریشان ہوں، جس گمراہی میں وہ ہیں اور جس ہدایت پر میں ہوں، اس کے متعلق میں پوری بصیرت پر ہوں اور اپنے پروردگار کے فضل سے یقین رکھتا ہوں اور میں اللہ کے حضور میں پہنچنے کا مشتاق ہوں اور اس کے حسن ثواب کے لیے دامنِ امید پھیلائے ہوئے منتظر ہوں"۔

"لکھنے پڑھنے سے خوب واقف تھے اس لئے عہدِ رسالت میں کتابتِ وحی اور فرامین و خطوط کی تحریر پر مامور رہے۔ آپؑ کو نہ صرف قرآن مجید حفظ تھا۔ بلکہ جملہ آیات کے شان و محل نزول کا بھی علم تھا۔ آپؑ نے عہدِ صدیقی کے ابتدائی حصے میں آیتوں اور سورتوں کی نزولی ترتیب کے مطابق قرآن مجید کا ایک نسخہ مرتب کیا۔ ۲ ہجری یعنی شادی تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے اس لئے بہت سی احادیث یاد تھیں اور ان کو قلم بند بھی کر رکھا تھا"۔[12]

فقہ واجتہاد میں جماعت صحابہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ پیچیدہ مقدمات میں آپؑ کے بعض فیصلے نہایت دلچسپ ہیں۔ شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق تھا۔ آپؑ کے خطات اور حکیمانہ اقوال فصاحت و بلاغت کے عمدہ نمونہ ہیں۔ علم نحو کی ابتداء بھی آپؑ کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ طبیعت میں زہد و تقویٰ اور

قناعت کی خصوصیات کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ آخر دم تک سادہ فقیرانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ سب کچھ خرچ کر دیتے تھے اور خود فاقوں پر نوبت آجاتی تھی۔ اسلامی تصوف کے کئی چشمے آپؓ کی ذات سے پھوٹے۔ ابن ملجم نے اپنے دوستوں کی مدد سے جامع کوفہ میں حضرت علیؓ پر حملہ کیا۔ ابنِ ملجم کی تلوار آپؓ کی پیشانی پر پڑی چونکہ وہ زہر میں بجھی ہوئی تھی اس لئے زخم مہلک ثابت ہوا اور آپؓ تیسرے روز 17 رمضان 40 ہجری (25 جنوری 661ء) کو ہفتہ کے روز انتقال فرما گئے۔ اس وقت آپؓ کی عمر 63 برس اور مدتِ خلافت پونے پانچ سال تھی"۔[13]

اویس قرنی:

"اویس بن عامر تابعین کے سردار یمن کے رہنے والے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی حیات میں موجود تھے اور آپ نے غائبانہ اسلام قبول کر لیا تھا۔ روایات کے مطابق اپنی ضعیف والدہ کی خدمت میں حاضر رہنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات نہ کر سکے۔ آپ زہد و عبادت کا پیکر تھے، طور طریقوں سے مجذوبانہ شان جھلکتی تھی۔ آپ ﷺ اویس قرنی کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ تابعین میں سب سے بہتر ہیں"۔[14]

عن عمر بن الخطاب أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : " إن رجلا يأتيكم من اليمن يقال له : أويس لا يدع باليمن غير أم له قد كان به بياض فدعا الله فأذهبه إلا موضع الدينار أو الدرهم فمن لقيه "منكم فليستغفر لكم وفي رواية قال : سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول : " إن خير التابعين رجل يقال له : أويس وله والدة وكان به بياض فمروه فليستغفر لكم "۔[15]

ترجمہ: "حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک شخص یمن سے تمہارے پاس آئے گا جس کا نام اویس ہوگا، وہ یمن میں اپنی ماں کے سوا کسی کو نہیں چھوڑے گا، اس کے بدن میں سفیدی (یعنی برص کی بیماری) تھی۔ اس نے اللہ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن سے سفیدی کو ختم کر دیا ہاں صرف ایک درہم یا ایک دینار کے بقدر سفیدی باقی رہ گئی ہے۔ پس تم میں سے جو شخص اس (اویس) سے ملے اس کو چاہئے کہ اس سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کرائے، ایک اور روایت میں یوں ہے کہ (حضرت عمر نے بیان کیا کہ) میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، تابعین میں بہتر شخص وہ ہم جس کا نام اویس ہے اس کی ایک ماں ہوگی اور اس کے بدن پر برص کا نشان ہے، پس تم اس سے اپنے

لئے دعا مغفرت کرانا"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ ام المومنین:

"نام عائشہ،لقب صدیقہ، حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی شریکِ حیات تھیں۔ آپؓ کی ولادت بنوت کے پانچویں سال اور ہجرت سے نو سال قبل جولائی 614ء کو مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی کنیت ان کے بھانجے عبد اللہ ابنِ زبیرؓ کے نام پر ام عبد اللہ رکھی، جس کو حضرت عائشہؓ نے متبنی بنالیا تھاوالدہ کا نام ام اومانؓ ہے۔ والد کی جانب سے ان کا سلسلہ ءنسب ساتویں پشت سے اور والدہ کی طرف سے گیارہویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ سے ان کا نکاح حضرت عثمانؓ بن مطعون کی بیوی خولہ بنتِ حکیمؓ نے کیا۔ حضرت خدیجہؓ جیسی غمگسار شریکِ حیات کی وفات کے بعد آپ ﷺ بہت ملول اور غمگین رہا کرتے تھے اس صورتِ حال کے باعث آپ ﷺ کے اصحاب فکر مند تھے، چنانچہ کچھ عرصے کے بعد حضرت خولہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ﷺ دوسرا نکاح کرلیں اور اس سلسلے میں سودہ بنتِ زمعہؓ جو تقریباً بتیس سالہ خاتون تھیں اور مہاجرینِ حبشہ میں شامل تھیں، اور جن کے خاوند سکران بن عمرو کا مکہ واپسی پر انتقال ہو چکا تھا۔ عائشہ بن ابو بکر کا نام پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس تجویز پر اتفاق کیا، اس سے قبل حضرت عائشہؓ جبیر بن مطعم سے منسوب تھیں۔ جن کا خاندان تاحال مسلمان نہیں ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کا پیغام ملنے پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مناسب سمجھا کہ پہلے ان لوگوں سے پوچھ لیا جائے۔ مطعم کی بیوی نے اس خیال سے کہ حضرت عائشہؓ ان کے گھر آ گئیں تو ان کے ہاں اسلام کو قدم جمانے کا موقع مل جائیگا ، خود ہی رشتے سے انکار کر دیا ، چنانچہ یہ نسبت منسوب کر دی گئی۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کا نکاح نبوت کے دسویں سال ہوا۔ مہر کی رقم پانچ سو درہم مقرر ہوئی اور رخصتی ہجرت کے چندماہ بعد یعنی شوال ا ہجری، اپریل 623ء کو مدینہ منورہ میں نہایت سادگی کے ساتھ ہوئی اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر نو برس تھی۔ بعض جدید سیرت نگاروں کے مطابق رخصتی کے وقت آپؓ کی عمر بارہ برس کے لگ بھگ تھی۔ حضرت عائشہؓ خلقِ اسلامی کے بہترین مرتبے پر فائز تھیں یہی وجہ ہے کہ وہ نیکی اور زہد کا بہترین نمونہ تھیں۔ سنجیدگی، فیاضی، قناعت، عبادت گزاری ،انسانی ہمدردی جیسے اعلیٰ انسانی اوصاف آپؓ میں بکمال موجود تھے۔ صحابہ کرام میں عمل و فضل کے اعتبار سے منفرد مرتبے اور شخصیت کی مالک تھیں۔ آپؓ کا شمار کثیر الروایات صحابہ رسول ﷺ میں

سے ہوتا ہے۔ آپؓ سے مروی روایات کی کل تعداد دوہزار دو سو دس ہیں ،ان میں سے صرف دو سو چھیاسی احادیث صحیحین میں شامل ہیں۔ آپؓ کے پاس قرآن کا بھی ایک قلمی نسخہ موجود تھا ، جسے انہوں نے اپنے غلام ابو یونس سے لکھوایا تھا۔ قرات کے بعض طریقے بھی ان سے مروی ہیں۔ تابعین میں سے اکابرِ علماء کی اکثریت ان کے شاگردوں میں شامل ہے تاریخ عرب سے خوب واقف تھیں۔ شعر و سخن سے دلچسپی تھی اور حسبِ موقع شعر پڑھنے کا ملکہ حاصل تھا۔ حضرت عائشہؓ کی فصاحت مشہور تھیں"۔[16]

حضرت فاطمہؓ:

"آنحضرت ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ ان سے آنحضرت ﷺ کو بہت زیادہ الفت تھی۔ ان کی پیدائش بقول جوزی نبوت سے پانچ برس پہلے ہوئی اور نکاح پندرہ برس پانچ مہینے کی عمر میں حضرت علیؓ سے غزوہ احد کے بعد ہوا۔ فاطمہ انہیں اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو ان کی اولاد کو آتشِ دوزخ سے دور رکھے گا۔ مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا دستور تھا کہ جب فاطمہ آتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے اور ہاتھ پکڑ کر جبیں مبارک پر بوسہ دیتے اور اپنے مقام پر بٹھاتے اور اسی طرح جب آنحضرت ﷺ فاطمہؓ کے پاس تشریف لاتے تو یہ تعظیم کے لئے اٹھ کھڑی ہوتیں اور استقبال کر کے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں۔ زاکیہ، رافیہ اور بتول حضرت سیدہ کے القاب سے ہیں اور وجہ تلقیب بہ بتول یہ ہے سبتل معنی قطع ہے۔ سو حضرت سعیدہ فضل و کمال وحسن وجمال میں عوراتِ عالم سے منقطع تھیں اور بہ سبب بہجت اور نورانیت دینیہ کے زہرہ کہلاتی تھیں۔ آپؓ کو بتول اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ علائقِ دنیا سے آپؓ منقطع تھیں۔ حضرت فاطمہؓ کی اٹھائیس برس کی عمر میں انتقال ہوا اور ایک روایت کے مطابق انتیس برس کی عمر میں ہوا۔ آپؓ کی وفات بروز سہ شنبہ بتاریخ صوم رمضان 11 ہجری میں ہوا اور قبر شریف بروایت صحیحہ جنت البقیع میں ہے"۔[17]

معاذ بن جبلؓ:

"معاذ بن جبلؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ جن کی کنیت ابو عبد اللہ انصاری خرزجی تھی۔ آپؓ ان ستر صحابہ میں سے ہیں جو عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے تھے۔ آپؓ جنگ بدر اور اس کے بعد کی تمام لڑائیوں میں شامل ہوئے۔ یمن میں قاضی بنا کر روانہ کئے گئے۔ ابنِ عباسؓ اور ابنِ عمرؓ وغیرہ بہت سے صحابہ نے آپؓ سے روایت کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے ابو عبیدہ

بن جراحؓ کے بعد آپؓ کو شام کا عامل مقرر کیا۔ طاعون عمواس کے موقعہ پر 38 سال کی عمر میں وفات پائی" ۔[18]

اسامہ بن زیدؓ:

"اسامہ بن زیدؓ کی عمر سترہ سال تھی جب حضور ﷺ نے انہیں فوج کا سپہ سالار مقرر کیا اس کا لشکر ربیع الاول 11 ہجری کو روانہ ہوا اور چالیس روز کے بعد کامیابی کے ساتھ مدینے واپس آیا۔ یہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی کامیابی تھی جس نے کفار کو خوف زدہ کر دیا تھا" ۔[19]

محمود غزنوی:

"سبک تگین کے بعد اس کا بیٹا تختِ غزنہ پر بیٹھا۔ اس نے اعلیٰ درجے کی تعلیم پائی تھی اور اپنے والد کے ہمراہ جنگی مہموں میں سرگرم حصہ لیتا رہا تھا۔ محمود غزنوی کو " امین الملتہ اور یمین الدولہ " کے خطابات دیئے۔ یمین الدولہ کے خطاب ہی کی بنا پر سلطان محمود کے خاندان کو "خاندان یمنی " کہتے ہیں۔ "اعلیٰ سالار کی حیثیت سے ہی سلطان محمود کو شہرت حاصل ہوئی۔ محمود غزنوی کو جن علاقوں میں کامیابی حاصل ہوئی ان کے نام یہ ہیں۔ ملتان، تھانیسر، برن، متھرا، قنوج، کالنجر اور گوالیار۔ محمود کی مہموں میں سب سے زیادہ مشہور سومناتھ کی مہم ہے یہ ہندوستان کے بڑے مندروں میں سے ایک مندر تھا اور کاٹھیاواڑ میں دریائے سرسوتی کے دہانے پر سمندر کے کنارے واقع تھا۔ سلطان محمود ایک عادل اور حق شناس حکمران تھا۔ بخشش اور عدل میں اس نے فریقینِ مقدمہ کے رتبے اور منصب کا کبھی لحاظ نہ کیا۔ یہاں تک کہ شہزادوں سے بھی عام آدمیوں کا سا برتاؤ کرتا تھا اپنے افسروں کو بھی نظر میں رکھتا تھا اور کبھی کسی کو عوام پر ظلم کا موقع نہ دیا۔ وہ اکثر دورے کرتا تھا اس طرح ملک کے معاملات اور عوام کے حالات سے باخبر رہتا تھا جنگی مہمات میں مصروفیت کے باوجود اس نے ملکی انتظام کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں رکھی اور وزیروں کو کبھی زیادہ اختیارات نہ دیئے۔ سلطان محمود ایک مطلق العنان فرمارواتھا مگر مطلق العنانی کے اختیارات زبردستوں کے خلاف زیر دستوں اور طاقتوروں کے خلاف کمزوروں کی حفاظت کے لئے صرف ہوتے تھے۔ سلطان محمود کے زمانے میں غزنہ ایشیا کے اندر علم و فضل اور ثقافت کا ایک بڑا مرکز بن گیا تھا۔ بڑے بڑے شاعر، عالم، مورخ، سائنس دان اور ریاضی دان اس کے دربار کی زیب و زینت ہوئے تھے۔ سلطان محمود فنونِ جنگ میں بے مثال تھا۔ اس کی فوج میں مختلف نسلوں اور قوموں کے لوگ شامل تھے۔ اس نے جنگ کا کوئی نیا نظام تو تیار نہ کیا ، البتہ جو طور طریقے اس زمانے

میں رائج تھے ، ان سے بہترین انداز میں کام لیا۔ رسالہ اس کی فوج کا سب سے بڑا جزو تھا اسی بناء پر وہ کم سے کم مدت میں بڑے سے بڑے فاصلے طے کر کے اچانک دشمن کے سر پر گرتا۔ سلطان محمود نے پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا اور یہ علاقہ مستقل طور پر دنیائے اسلام کا مشرقی حاشیہ بن گیا تھا۔ سلطان محمود غزنوی بجا طور پر ایک عظیم فرمارواتھا"۔[20]

سلطان صلاح الدین ایوبی:

"سلطان الملک الناصر صلاح الدین یوسف اول امیر غم الدین ایوب کا بیٹا 532ہجری، 1138ء کو تکریت کے مقام پر پیدا ہوا۔ ان کی شہرت کا آغاز اس وقت ہوا جب شیر کوہ مصر کے خلاف اپنی پہلی مہم میں ان کو اپنے ساتھ لے گیا۔ شیر کوہ نے صلاح الدین کو حکم دیا کہ وہ بلبس اور اس ضلع کا محاصرہ کر کے وہاں سے خراج وصول کریں یہ ان کی پہلی مہم تھی جس سے ان کی کامیابی کی ابتداء ہوئی"۔[21]

صلاح الدین چونکہ نیک فطرت انسان تھا اس لئے اس کی نیک فطرت کے باعث خلیفہ نے صلاح الدین کو اپنے خط میں الملک الناصر کا خطاب دے کر ان کو وزیر مقرر کر دیا۔ صلاح الدین ایوبی نے فلسطین، بلغار، رملہ، عشقلان جیسے علاقے فتح کئے۔ اس کے علاوہ حماۃ، حمص، بعلبک بھی فتح کئے۔ صفر589ہجری، 1193ء میں بیمار ہوئے اور چودہ دن 55سال کی برس میں فوت ہوئے ، ان کے اعزہ واقارب عفوو در گزر اور بردباری میں مضمر تھے وہ اہل سنت والجماعت کے مسلک پر عمل پیرا تھے۔ صلاح الدین اپنی رعایا میں محترم اور مقبول تھا یورپ میں انہیں بہادری کا نمونہ مانا جاتا ہے انہوں نے کبھی بلاوجہ سختی کا اظہار نہیں کیا۔ صلاح الدین کا نام آج بھی دنیا میں احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے خون میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے سلطان صلاح الدین کی شخصیت روشنی اور ہدایت کا مینار رہی ہے وہ علوم دینیہ کے دلدادہ، علماء کے سرپرست اور تعمیرات کے شائق تھے"۔[22]

عبد الملک بن مروان:

"عبد الملک بن مروان، مروان کی وفات کے بعد 65ہجری میں تخت نشین ہوا ، یہ مروان بن حکم کے بیٹے تھے وہ 26ہجری کو پیدا ہوئے اور ان کا ابتدائی زمانہ تمام تر مدینہ میں گزرا ، یہ شہر اس زمانے میں اکابرینِ ملت اور اصحابِ علم وفضل کا مرکز تھا۔ عبد الملک بن مروان نے ان لوگوں کی صحبت سے وہ علم وکمال پیدا کیا کہ مدینہ کی علمی حلقوں میں اسے ممتاز حیثیت حاصل ہو گئی۔ علامہ شبلی کا قول ہے کہ: میں جس شخص کی صحبت میں بیٹھا وہ میرے علم کا قائل ہو گیا مگر میں خود عبد الملک بن مروان کے علم وفضل

کا قائل ہوں اس نے بہت سی احادیث کی روایت کی ہے اس زمانے میں اس کے زہد و تقویٰ کا بھی چرچا تھا۔ شاہ معین الدین ندوی کے الفاظ میں " اگر زمانے نے اسے تختِ خلافت پر نہ بٹھادیا ہو تا تو وہ مدینہ کی مسندِ علم کی زینت ہوتا۔ ان خوبیوں کے علاوہ ان میں جہاں بانی کی تمام صفات موجود تھیں وہ بڑا زیرک، معاملہ فہم سیاست دان اور شجاع تھا۔ اس نے 15 شوال 86 ہجری (707ء) کو کئی دن بیمار رہنے کے بعد وفات پائی اور دمشق میں دفن ہوئے"۔[23]

محمد بن قاسم:

"محمد بن قاسم سترہ برس کا تھا جس نے فارس کی گورنری میں صلاحیت کے جوہر دکھائے تھے۔ حجاج کو اس کی صلاحیت پر پورا بھروسہ تھا اس لئے اسے سندھ کی مہم پر روانہ کیا۔ دیبل کی فتح کے بعد سوستان فتح کیا پھر داہر کو شکست دے کر برہمن آباد، الور، ملتان اور بہت سے چھوٹے چھوٹے قصبے قبضے میں آ گئے۔ محمد بن قاسم دیانت، اخلاص، انصاف پسندی، عدل دوستی، کشادہ دل رکھنے والے اور راست بازی کا مجسم پیکر تھے اس لئے لوگوں میں بہت مقبول ہوئے۔ محمد بن قاسم صلح جوئی کی پالیسی، نیز دانشمندانہ و ہمدرانہ روش کی بناء پر تمام طبقوں میں حد درجہ ہر دلعزیز ہو گیا تھا وہ ایک بلند حوصلہ سالار، ایک باکمال قائد اور ایک پختہ کار مدبر تھا اس نے دوسری نسلوں اور مذہبوں کے لوگوں سے برتاؤ میں بڑی دانشمندی اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیا اس لئے لوگوں میں ہر دلعزیز تھے"۔[24]

حضرت عمر بن عبد العزیز:

"حضرت عمر بن عبد العزیز مروان بن حکم کے پوتے تھے۔ آپ کی والدہ حضرت عمر کی پوتی تھیں۔ فاروقِ اعظم سے خونی رشتے پر آپ کو ہمیشہ ناز رہا۔ آپ 61 ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور عمر کا ابتدائی حصہ وہیں گزرا یہیں آپ کو صلحائے امت کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا جس کا اثر آپ کی طبیعت پر ساری عمر رہا اور آپ میں علم و فضل کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ کی خصوصیات بدرجہ اتم پیدا ہو گئیں۔ آپ کا والد عبد العزیز اکیس سال تک مصر کا حاکم رہا اس لئے آپ کا شباب شاہانہ ماحول میں گزرا۔ آپ کی شادی عبد الملک کی لڑکی فاطمہ سے ہوئی اس سے شاہی خاندان میں آپ کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ آپ اپنے زمانے کے جید عالم تھے تمام دینی علوم تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ پر مکمل عبور حاصل تھا اور ان کے ہم عصر علماء ان کے سامنے طفل مکتب نظر آتے تھے۔ مختصر عہدِ خلافت میں آپ کا عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے بنو امیہ کی شخصی حکومت کو دوبارہ جمہوری خلافت میں تبدیل کر دیا۔ آپ ہر

معاملے میں فاروقِ اعظم کی مثال سامنے رکھتے تھے، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ فاروقِ اعظم کے لئے ایک مثالی عادلانہ نظام کا قیام نسبتاً آسان تھا کیونکہ ان کا زمانہ عہدِ رسالت سے قریب تھا اور صحابہ ان کے معاون تھے لیکن حضرت عمر ثانی کے زمانے میں حالات بدل چکے تھے خود ان کا اپنا خاندان ان کا شدید مخالف تھا وہ اپنے ماحول میں تنہا تھا لیکن انہوں نے ان ساز گار حالات میں بھی اسلامی طرزِ حکومت کو زندہ کر دیا یہی وجہ ہے کہ آپ کا زمانہ عہدِ خلافتِ راشدہ میں شمار کیا جاتا ہے اور مورخ آپ کو حضرت علیؓ کے بعد پانچواں صحیح خلیفہ مانتے ہیں۔ مذہبی حلقوں میں آپ کو مجدد اول کہا جاتا ہے۔ آپ کو اپنی گراں ذمہ داریوں کا شدید احساس رہتا تھا اور اکثر خوفِ الٰہی سے آنسو بہ نکلتے تھے ایک دفعہ کسی نے آپ سے گریہ کا سبب دریافت کیا تو فرمایا تو فرمایا تم لوگ مجھے رونے پر ملامت نہ کرو کیونکہ اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلے میں عمر پکڑا جائے گا۔ بیت المال سے اپنے مقررہ معمولی وظیفہ کے علاوہ ایک پائی بھی نہیں لیتے تھے۔ یہاں تک کہ سرکاری مہمان خانے کی آگ میں اپنے لئے پانی گرم کرنا بھی گناہ سمجھتے تھے۔ رات کو جوں ہی سرکاری کام سے فارغ ہوتے بیت المال کا چراغ گل کر کے اپنا ذاتی چراغ روشن کر لیتے ان کی نجی زندگی سادگی کا نمونہ بن گئی تھی۔ آپ کی اصلاحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا کا ہر طبقہ خوش حال ہو گیا۔ افلاس و غربت کا خاتمہ ہو گیا یہاں تک کہ لوگ صدقہ وزکوٰۃ لے کر نکلتے تھے، لیکن کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔ حکومت کی آمدنی میں بھی اضافہ ہوا ان کے عہد میں عوام خوشحال تھی اور زراعت نے خوب ترقی کی اور خانہ جنگی کا خاتمہ ہو گیا تھا ہر مکتب خیال آپ کی طرزِ حکومت سے مطمئن تھا اور ملک میں امن وامان کا دور دورہ تھا۔ آپ نے رجب 101 ہجری (جنوری 720ء) دو سال پانچ ماہ کی خلافت کے بعد چالیس سال کی عمر میں وفات پائی"۔ [25]

ہشام بن عبد الملک:

"یزید ثانی کی وفات پر ہشام بن عبد الملک تخت نشین ہوا اس کا شمار اموی خاندان کے عظیم حکمرانوں میں کیا جاتا ہے اس نے کافی حد تک اپنے پیش رو کے عہد کی خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ، وہ خود فرائضِ اسلامی کی پابندی کرتا تھا اور اس نے دربارِ دمشق کو غیر اسلامی آلائشوں سے پاک کرنے کی کوشش کی۔ عیش پسندی اور آرام طلبی کی بجائے جسے اس کے پیش رو نے مقصدِ حیات بنا رکھا تھا، اس نے امورِ مملکت کی طرف بھرپور توجہ دی۔ ہشام بیدار مغزی اور سیاست میں اموی حکمرانوں میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ مورخین کا خیال ہے کہ امیر معاویہ، عبد الملک اور ہشام پر اموی سیاست و تدبر کا خاتمہ

ہو گیا تھا۔ عبد اللہ بن علی عباسی کا بیان ہے کہ میں نے بنو امیہ کے تمام دفاتر کی جانچ پڑ تال کی مگر ہشام کے دفاتر راعی اور رعایا کے حق میں سب سے بہتر پائے وہ اپنے عمال کی پوری نگرانی رکھتا تھا۔ مورخ مسعودی کے الفاظ میں "وہ بڑا دقیق النظر، منتظم، کفایت شعار اور صاحب تدبیر تھا۔ سلطنت کے جملہ امور خود انجام دیتا تھا اور اس کی نگاہ سے کوئی چیز چھپی نہ رہتی تھی"۔ اس نے اپنے عہد میں بیت المال کی اصلاح کی طرف توجہ دی اور ملک میں عدل و انصاف کے قیام کی کوشش کی۔ اس عہد میں جہاز سازی اور دیگر صنعتوں میں ترقی ہوئی۔ وہ ایک دین دار اور پابندِ صوم صلوٰۃ مسلمان تھا۔ اس کی ذاتی زندگی بڑی سادہ تھی ایک ایک قبا کئی کئی سال تک پہنے رکھتا تھا اسے رقص و سرور اور مے نوشی سے قطعاً کوئی لگاؤ نہ تھا اور انہوں نے رعایا میں بھی ان رجحانات کو بڑھنے سے روکا وہ مزلی علم و ادب بھی تھا اس نے امام زہری سے چار سو احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کرایا۔ ایرانی تواریخ اور علوم و فنون پر مشتمل ایک ضخیم فارسی کتاب کا عربی میں ترجمہ کرایا اس کی دو صفات حلم اور کفایت شعاری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اس کی کفایت شعاری اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ بخیل مشہور ہو گیا تھا اس کے حلم کا یہ حال تھا کہ تلخ سے تلخ باتوں کو سن کر خاموش ہو جاتا تھا اس نے ربیع الثانی 125 ہجری (فروری 743ء) میں خناق کے مرض میں مبتلا ہو کر وفات پائی"۔[26]

عبد الرحمن الناصر:

"عبد اللہ نے اپنی وفات سے قبل اپنے پوتے عبد الرحمن ثالث کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیا تھا، چنانچہ وہ 300 ہجری بمطابق 912ء میں 22 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اس کی ابتدائی تعلیم و تربیت نہایت احسن طریقے پر ہوئی تھی اور وہ اس نوعمری میں بھی اس قدر ہر دلعزیز مقبول ہوا تھا کہ جب اس کی تخت نشینی کا اعلان ہوا تو رعایا کے تمام طبقات خواص و عوام کے خود اس کے چچاؤں، بھائیوں اور شاہی خاندان کے دیگر افراد نے، جو عمر میں ان سے بڑے تھے، بڑی خوشی کا اظہار کیا اس نے اقتدار سنبھالتے ہی بیشتر ٹیکس معاف کر دیئے اور باغیوں کی عام معافی کا اعلان کیا لیکن ساتھ ہی اس نے واضح کر دیا کہ جو لوگ اپنے طرزِ عمل کو نہیں بدلیں گے انہیں سخت سزا دی جائے گی اور یہ کہ حکومت کو خراج کی نہیں بلکہ شہروں اور قلعوں کی ضرورت ہے جو ہر صورت میں مرکز کے ماتحت رہیں گے اس کے عہدِ حکومت میں قلیوشہ، ماورہ، باجہ، اکشونیہ، طلیطلہ وغیرہ پر قبضہ ہوا تھا اس کے علاوہ مشرق میں برشلونہ سے لے کر مغرب میں بحر اوقیانوس تک اور شمال میں کوہِ پائرینیز سے لے کر جنوب میں بحیرہ روم تک پھیل گئی۔ شمالی

افریقہ میں مورتیا کے علاقے ان کے قبضے میں آ گئے تھے اس کے علاوہ لیون اور بنارہ کی حکومتیں خلیفہ الناصر کے زیر نگیں آ گئیں۔ عبد الرحمن الناصر نے 961ء میں نصف صدی کے طویل دورِ حکومت کے بعد وفات پائی وہ بلاشبہ بنو امیہ اندلس میں عظیم ترین فرماں روا تھا"۔[27]

محمد المہدی:

"محمد المہدی ابو جعفر المنصور کا بیٹا تھا ، 23 سال کی عمر میں تختِ خلافت پر بیٹھا یہ فطری طور پر فیاض اور رحم دل انسان تھا۔ جب یہ حج پر گیا تو اس نے تین کروڑ درہم خیرات میں تقسیم کئے یہ بڑا نرم دل اور متحمل مزاج تھا۔ لوگوں کو اکثر معاف کر دیتا تھا اس نے علویوں سے نہایت اچھا سلوک کیا۔ مروان ثانی (بنو امیہ کے آخری خلیفہ) کی بیوہ مزنہ ایک دفعہ اس کے پاس آئی تو اس نے اسے مستقل طور پر محل میں ٹہرالیا اور اس کے لئے جاگیر مقرر کر دی یہ عیش پرست اور رنگین مزاج بھی تھا لیکن امور مملکت سے کبھی غافل نہ ہوا۔ مذہب کے معاملہ میں وہ بڑا سخت گیر تھا اس نے اپنے عہد میں بے شمار رفاہِ عامہ کے کام کئے خانہء کعبہ اور مسجدِ نبوی کی توسیع کی ، مختلف شہروں میں نئی مساجد تعمیر کیں۔ مکہ جانے والی سڑک کو پختہ کرایا اور جگہ جگہ سرائے، کنویں اور حوض بنوائے۔ کوڑھیوں اور محتوجوں کے وظائف مقرر کئے۔ بیروز گاری کے خاتمہ کے پیشِ نظر انصارِ مدینہ کے پانچ سو آدمی اپنے حفاظتی دستہ میں بھرتی کئے۔ ان کا انتقال 169 ہجری میں ہوا اس وقت ان کی عمر 43 سال تھی"۔[28]

ہارون الرشید:

"ہارون الرشید خیزراں کے بطن سے محمد المہدی کا دوسرا لڑکا تھا اس نے یحیٰ بن خالد برمکی جیسے اتالیق کی نگرانی میں پرورش پائی اس لئے علم و فضل اور فصاحت میں یکتا تھا۔ ہارون ربیع الاول 170 ہجری میں 22 سال کی عمر میں تختِ خلافت پر بیٹھا۔ ہارون الرشید کا عہد خلافت عباسیہ کا درخشندہ دور ہے، سیرت و کردار، شان و شوکت، ہمت و شجاعت، علم و ادب کی سرپرستی، عدل گستری اور رعایا پروری کے اعتبار سے ہارون الرشید کا شمار دنیا کے عظیم ترین بادشاہوں میں ہوتا ہے، ان کے عہد میں عباسی اقتدار اوجِ کمال کو پہنچ گیا تھا۔ اسلامی علوم و فنون نے ترقی کی۔ بغداد ثقافتِ اسلامیہ کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا۔ صنعت و حرفت کو فروغ حاصل ہوا۔ رعایا خوش حال تھی اور امن و امان پورے ملک میں قائم تھا جس کی وجہ سے تجارت نے خوب ترقی کی جس کی وجہ سے ملک میں دولت کی ریل پیل تھی ان ہی اسباب کی بناء پر ان کے دور کو سنہری دور کہا جاتا ہے۔ ہارون الرشید کی سیرت کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ ایک

بڑا متقی اور دین دار تھا۔ اس کا دل ہر وقت خوفِ خدا سے معمور رہتا تھا اور جب اس کے حلقہ ءنشین صوفی اسے نصیحت کرتے تو اس کے آنسو بہہ نکلتے۔ دوسری طرف وہ بڑا رنگین مزاج اور عیش پسند بھی تھا۔ اور اس کی شان بڑے بڑے فرماں رواؤں کے لئے باعثِ رشک رہی وہ فرائض اسلامی کی پوری پابندی کیا کرتا تھا، نیکی کا شوقین اور خیرات میں وسیع دست تھا اس نے اپنے عہد میں نو حج کئے اور ہر طرف بڑی رقم خیرات میں تقسیم کی ،اسے رعایا کے حالات معلوم کرنے میں اس قدر دلچسپی تھی کہ رات کو بھیس بدل کر اپنے وزیر جعفر کے ساتھ بغداد کی گلیوں میں چکر لگایا کرتا تھا اور مظلوموں کی داد رسی کیا کرتا تھا ان صفات کی وجہ سے وہ عوام میں بیحد مقبول ہو گیا تھا۔ الف لیلیٰ میں اس کے بے شمار قصے موجود ہیں جس سے افسانوی دنیا میں اسے شہرتِ دوام مل گئی اس کی شہرت کا ایک سبب اس کا شوقِ جہاد بھی تھا اس نے بازنطینی حکومت کے خلاف جنگوں میں بہ نفسِ نفیس شرکت کی اور اس معاملے میں بڑے جوش کا مظاہرہ کیا اگر اس نے قیصر روم کو بار بار معاف کر کے دوربینی کا ثبوت نہ دیا مگر اس کی شاندار فتوحات اور دشمنوں کی ذلت نے اس کے عہد کو چار چاند لگا دیئے۔ اس نے نظامِ مملکت کی اصلاح میں گہری دلچسپی لی۔ اس نے پوری کوشش کی کہ شرعی قوانین کا نفاذ ہو ، تمام خلافِ شرع محصولات کو منسوخ کیا انہوں نے تمام عمال کی گوشمالی کی جو عوام پر جبر و تشدد روا رکھتے تھے اس نے اپنے تمام حکام کو عدل و انصاف اور رعایا سے حسنِ سلوک کی تلقین کی ،انہوں نے سارے ممالک میں بے شمار مساجد، مدارس، شفاخانے، کارواں، سرائے، سڑکیں، پل اور نہریں تعمیر کیں۔ آستانہ ءخلافت علماء و فضلاء کا مرکز تھا جہاں دور و نزدیک سے اصحابِ علم جمع ہوتے تھے اور خلیفہ کی فیاضیوں سے مالامال ہوتے تھے۔ ہارون نے روم سے قدیم کتب بغداد منگوائیں اور تراجم کا جو کام منصور کے زمانے سے شروع ہو چکا تھا اس کو مزید ترقی دی۔ اصمعی، شافعی، عبداللہ بن ادریس، عیسیٰ بن یونس، ابنِ سماک، سفیان ثوری، ابن مقفع، جبریل بن غبتشیوع، یوحنا بن ماسویہ وغیرہ اس دور میں آسمان علم و فضل کے روشن ستارے تھے انہوں نے قرآن و حدیث، فقہ، نجوم، فلسفہ، طب، ریاضی وغیرہ کو خوب ترقی دی وہ موسیقی کا دلدادہ تھا، ابراہیم موصلی نے اس فن میں کمال پیدا کیا۔ ہارون خعد شاعر تھا اسے ایک رومی امیر کی لڑکی ہیلن سے عشق تھا جسے وہ ہرقلہ سے اپنے ساتھ لایا تھا اسے مخاطب کر کے بہت سی بلند پایہ غزلیں کہیں۔ ابو نواس جیسا شاعر اس کا درباری تھا۔ اس کے دربار میں مختلف ممالک کے بادشاہوں کے سفیر موجود رہتے تھے۔ ہارون کی شہرت محض ممالک اسلامیہ تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ چار دانگ عالم میں پہنچ چکی

تھی"۔[29]

عصرِ حاضر کی عملی صورتِ حال:

"آج دنیا کی ایک کثیر آبادی نوجوانوں پر مشتمل ہے، سات ارب کی آبادی میں تقریباً 1'8 ارب آبادی نوجوانوں پر مشتمل ہے"[30]۔ اگر موجودہ معاشرہ کی صورتِ حال پر نظر دوڑائی جائے تو آج کے نوجوان کا مقصد صرف اور صرف مادی نظر آتا ہے ۔ آج سائنس، ٹکنالوجی اور دوسری طرف علمی انفجار کا دور مسابقت اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دھن نے ایسا ماحول قائم کر رکھا ہے کہ ہر نوجوان دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف دیکھنے کی زحمت تک گوارا نہیں کرتا اور ہر ایک کیریئر کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے دن رات ایک کر دیتا ہے وہ معاشرہ میں رہنے والے دوسرے افراد سے ہی کیا وہ تو اپنے پڑوس میں رہنے والے ہمسائے سے بھی بے گانہ ہے کیونکہ وہ اس خود ساختہ اصول پر عمل کرتا ہے کہ مجھے اپنے علاوہ کسی اور سے کوئی سروکار نہیں ہے اور نہ وہ اپنے علاوہ کسی اور کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ چاند پر کمندیں ڈالنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا ہے لیکن اپنے مقصد وجود سے ناآشنا ہے وہ قابل ذکر اسناد کا حامل تو ہوتا ہے لیکن اس کے اندر دوسروں کے لیے حمایت اور ہمدری کا جذبہ نہیں ہوتا اس کے پاس وافر مقدار میں معلومات ہوتی ہیں لیکن علم کے حق سے محروم رہ کر زندگی اس جانور کی طرح گزارتا ہے جس کی پیٹھ پر صرف کتابوں کا بوجھ لاد دیا جاتا ہے لیکن بیچارے جانور کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی پیٹھ پر کس قسم کا بوجھ لاد دیا گیا ہے۔ اسلام مستقبل کو خوب سے خوب تر بنانے اور نکھارنے سے منع نہیں کرتا ہے بلکہ قاعدے اور سلیقے کے ساتھ منظم اور اچھے طریقے سے مستقبل کو بنانے پر زور دیتا ہے اگر اسلام کسی چیز سے منع کرتا ہے تو اس میں انسان اور اس کی ایمان کی بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے جسے انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی درج ذیل حدیث اس حوالے سے بہت خوبصورت عکاسی کرتی ہے۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ[31]

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کسی شخص کے قدم اللہ رب العزت کے پاس سے وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے پانچ

چیزوں کے بارے میں نہ پوچھ لیا جائے، زندگی کیسے گزاری، جوانی کہاں خرچ کی مال کہاں سے کمایا مال کہاں خرچ کیا جو کچھ سیکھا اس پر کتنا عمل کیا"۔

اندھی کیریئر پرستی ایک نوجوان کو سماج سے الگ تھلگ کر دیتی ہے اور اس کا راستے سے بھٹکنا آسان ہو جاتا ہے اور منزلِ مقصود وہ دور ہو جاتا ہے آج امت کا نوجوان بے شمار مسائل اور الجھنوں میں گھرا ہوا ہے ایک طرف غیر متوازن نظام تعلیم کے مسائل کا سامنا کر رہا ہے تو دوسری طرف اقتصادی مسائل سے دوچار ہے ایک طرف اگر وقت پر نکاح نہ ہونے کے مسائل ہیں تو دوسری طرف بے روزگاری کے مسائل نے پریشانیوں میں مبتلا کر رکھا ہے اسی طرح ناقص تعلیم و تربیت، حیا سوز مغربی فکر و تہذیب کے پیدا کردہ مسائل علاوہ ازیں نت نئے افکار کے پیدا کردہ مسائل اور الجھنوں کا انبار لگا ہوا ہے جن سے اُمت کا یہ اہم طبقہ دوچار ہے۔ ہمارا نوجوان طبقہ مسائل کا سامنا کرنے سے کتراتا ہے کیونکہ ان کو اس سلسلے میں مطلوبہ رہنمائی نہیں مل رہی ہے تاکہ وہ ان مسائل سے باآسانی نبرد آزما ہو سکے ہر طرف افراتفری، فساد، چوری، ڈاکہ زنی، قتل و غارت گری اور نفسا نفسی کا دور دورہ ہے ہر نئے دن کے طلوع ہونے کے ساتھ معاشرہ کے حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں کسی ملک و قوم کے نوجوان نسل میں تعلیم و تربیت کا فقدان پیدا ہونے کے ساتھ معاشرہ کا بگاڑ لازمی امر بن جاتا ہے۔ عصرِ حاضر کی صورتِ حال بھی کچھ اسی نوعیت کی ہے۔ ہماری نوجوان نسل میں تعلیم کے حصول کا فقدان دن بدن بڑھ رہا ہے کیونکہ یہ تعلیم و تدریس کی محفلوں میں بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ عیش و عشرت کے دلدادہ ہو گئے ہیں۔ رقص و سرور کی محفلوں کو پسند کیا جانے لگا ہے۔ والدین اور بزرگوں کے احترام سے کنارہ کشی اختیار کر لی گئی ہے جو قومیں اخلاقی لحاظ سے گر جاتی ہیں ان کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے اور تباہی و برباد ان کا مقدر بن جاتا ہے جس قوم میں ہر قسم کی برائیاں پیدا ہو جائیں، جیسا کہ سود، رشوت، صوم و صلوٰۃ کی پابندی نہ کرنا، غیبت، فساد، قتل و غارت گری، چوری، ڈاکہ زنی اور قتل برائے تاوان وغیرہ تو یہ معاشرہ کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتی ہیں اور آج کل ہم اپنے اردگرد یہی سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ہماری نوجوان نسل کے ہاتھوں میں قلم کے بجائے رائفل ہے جس کی وجہ سے وہ گھناؤنے جرائم میں ملوث ہو رہے ہیں۔ والدین کی عزت کرنے کے بجائے دولت کے پجاری بن چکے ہیں ان خرابیوں کی اصل وجہ اسلامی تعلیمات سے دوری ہے ہم اپنی نئی نسل کو انگریزی سکھانے پر تو فخر محسوس کرتے ہیں لیکن اسلامی تعلیمات سے آگاہی پر تساہل کا مظاہرہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہماری

نئی نسل حقوق اللہ اور حقوق العباد کو فراموش کرتی نظر آرہی ہے اگر ان نوجوانوں کو انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات سے بھی روشناس کرایا جائے تو معاشرہ سے تمام برائیاں ختم ہوسکتی ہیں اور امن وامان قائم ہوسکتا ہے اس سلسلے میں ماں باپ، علما اور دانش وروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مربیانہ کردار ادا کریں تاکہ نوجوان طبقہ مستقبل میں ملت اور سماج کی تعمیر اور اصلاح کے لیے مؤثر کردار ادا کرسکے۔

نوجوانوں کی تربیت کا نبوی ﷺ منہج:

اس حوالے سے اللہ کے رسولؐ کا وہ تربیتی منہج سامنے رکھنا چاہیے جس کی بدولت انھوں نے نوجوانوں کی ایک بہترین ٹیم تیار کی تھی جس نے بعد میں بڑے بڑے معرکہ سرانجام دیئے۔ اللہ کے رسولؐ نوجوانوں کی ان کے رجحان اور طبیعت کو مد نظر رکھتے ہوئے تربیت کرکے ذمہ داریاں سونپتے تھے۔ اللہ کے رسولؐ کا تربیتی منہج بڑا شاندار اور منفرد انداز کا ہے۔ آپؐ ان کی کردار سازی پر بہت توجہ فرماتے تھے اور نہ صرف ان کے خارجی مسائل حل کرتے تھے بلکہ ان کے نفسیاتی مسائل بھی حل کرتے تھے۔ آپ ﷺ تعلیم وتربیت پر ہمیشہ توجہ مبذول رکھتے تھے، بالخصوص نوجوان طلباء کی تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام فرماتے تھے، آپ ﷺ ہمیشہ اپنے شاگردوں سے نہ صرف خندہ روئی اور بشاشت سے گفتگو فرماتے، بلکہ ان کی حالت وکیفیت پر بھی توجہ رکھتے، ذیل میں اس حوالے سے صرف ایک حوالہ پیش خدمت ہے

حَدَّثَنِي أَبُو نُعَيْمٍ، بِنَحْوٍ مِنْ نِصْفِ هَذَا الْحَدِيثِ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ، حَدَّثَنَا مُجَاهِدٌ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، كَانَ يَقُولُ آللَّهِ الَّذِي لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ إِنْ كُنْتُ لأَعْتَمِدُ بِكَبِدِي عَلَى الأَرْضِ مِنَ الْجُوعِ، وَإِنْ كُنْتُ لأَشُدُّ الْحَجَرَ عَلَى بَطْنِي مِنَ الْجُوعِ، وَلَقَدْ قَعَدْتُ يَوْمًا عَلَى طَرِيقِهِمُ الَّذِي يَخْرُجُونَ مِنْهُ، فَمَرَّ أَبُو بَكْرٍ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ، مَا سَأَلْتُهُ إِلاَّ لِيُشْبِعَنِي، فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ، ثُمَّ مَرَّ بِي عُمَرُ فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ، مَا سَأَلْتُهُ إِلاَّ لِيُشْبِعَنِي، فَمَرَّ فَلَمْ يَفْعَلْ، ثُمَّ مَرَّ بِي أَبُو الْقَاسِمِ صلى الله عليه وسلم فَتَبَسَّمَ حِينَ رَآنِي وَعَرَفَ، مَا فِي نَفْسِي وَمَا فِي وَجْهِي ثُمَّ قَالَ " أَبَا هِرٍّ ". قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ " الْحَقْ ". وَمَضَى فَتَبِعْتُهُ، فَدَخَلَ فَاسْتَأْذَنَ، فَأَذِنَ لِي، فَدَخَلَ فَوَجَدَ لَبَنًا فِي قَدَحٍ فَقَالَ " مِنْ أَيْنَ هَذَا اللَّبَنُ ". قَالُوا أَهْدَاهُ لَكَ فُلاَنٌ أَوْ فُلاَنَةُ. قَالَ " أَبَا هِرٍّ ". قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ " الْحَقْ إِلَى أَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ لِي ". قَالَ وَأَهْلُ الصُّفَّةِ أَضْيَافُ الإِسْلاَمِ، لاَ يَأْوُونَ إِلَى أَهْلٍ وَلاَ مَالٍ،

وَلاَ عَلَى أَحَدٍ، إِذَا أَتَتْهُ صَدَقَةٌ بَعَثَ بِهَا إِلَيْهِمْ، وَلَمْ يَتَنَاوَلْ مِنْهَا شَيْئًا، وَإِذَا أَتَتْهُ هَدِيَّةٌ أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ، وَأَصَابَ مِنْهَا وَأَشْرَكَهُمْ فِيهَا، فَسَاءَنِي ذَلِكَ فَقُلْتُ وَمَا هَذَا اللَّبَنُ فِي أَهْلِ الصُّفَّةِ كُنْتُ أَحَقُّ أَنَا أَنْ أُصِيبَ مِنْ هَذَا اللَّبَنِ شَرْبَةً أَتَقَوَّى بِهَا، فَإِذَا جَاءَ أَمَرَنِي فَكُنْتُ أَنَا أُعْطِيهِمْ، وَمَا عَسَى أَنْ يَبْلُغَنِي مِنْ هَذَا اللَّبَنِ، وَلَمْ يَكُنْ مِنْ طَاعَةِ اللَّهِ وَطَاعَةِ رَسُولِهِ صلى الله عليه وسلم بُدٌّ، فَأَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَأَقْبَلُوا، فَاسْتَأْذَنُوا فَأَذِنَ لَهُمْ، وَأَخَذُوا مَجَالِسَهُمْ مِنَ الْبَيْتِ قَالَ " يَا أَبَا هِرٍّ ". قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ " خُذْ فَأَعْطِهِمْ ". قَالَ فَأَخَذْتُ الْقَدَحَ فَجَعَلْتُ أُعْطِيهِ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى، ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ، فَأُعْطِيهِ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى، ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى، ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ، حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَقَدْ رَوِيَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، فَأَخَذَ الْقَدَحَ فَوَضَعَهُ عَلَى يَدِهِ فَنَظَرَ إِلَيَّ فَتَبَسَّمَ فَقَالَ " أَبَا هِرٍّ ". قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ " بَقِيتُ أَنَا وَأَنْتَ ". قُلْتُ صَدَقْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ " اقْعُدْ فَاشْرَبْ ". فَقَعَدْتُ فَشَرِبْتُ. فَقَالَ " اشْرَبْ ". فَشَرِبْتُ، فَمَا زَالَ يَقُولُ " اشْرَبْ ". حَتَّى قُلْتُ لاَ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، مَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا. قَالَ " فَأَرِنِي ". فَأَعْطَيْتُهُ الْقَدَحَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَسَمَّى، وَشَرِبَ الْفَضْلَةَ[32]

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ " اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں (زمانہ نبوی میں) بھوک کے مارے زمین پر اپنے پیٹ کے بل لیٹ جاتا تھا اور کبھی میں بھوک کے مارے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا ایک دن میں اس راستے پر بیٹھ گیا جس سے صحابہ نکلتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ گزرے اور میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا ، میرے پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مجھے کچھ کھلا دیں مگر وہ چلے گئے اور کچھ نہیں کیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے ، میں نے ان سے بھی قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی اور پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مجھے کچھ کھلا دیں مگر وہ بھی گزر گئے اور کچھ نہیں کیا اس کے بعد حضور اکرم ﷺ گزرے اور آپ نے جب مجھے دیکھا تو آپ مسکرا دیئے اور آپ میرے دل کی بات سمجھ گئے اور میرے چہرے کو آپ نے تاڑلیا پھر آپ نے فرمایا اباہر ! میں نے عرض کیا لبیک ، یا رسول اللہ ! فرمایا میرے ساتھ آ جاؤ اور آپ چلنے لگے میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے چل دیا پھر آنحضرت ﷺ اندر گھر میں تشریف لے گئے پھر میں نے اجازت چاہی اور مجھے اجازت ملی جب آپ داخل ہوئے تو ایک پیالے دودھ ملا۔ دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے ؟ کہا فلاں یا فلانی نے آنحضرت ﷺ کے لئے تحفہ میں بھیجا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اباہر ! میں نے عرض کیا لبیک ، یا رسول اللہ ! فرمایا ، اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں بھی میرے پاس بلا لاؤ۔ کہا کہ اہل صفہ اسلام کے مہمان ہیں ، وہ نہ کسی کے گھر پناہ ڈھونڈتے ، نہ

کسی کے مال میں اور نہ کسی کے پاس! جب آنحضرت ﷺ کے پاس صدقہ آتا تو اسے آنحضرت ﷺ انہیں کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ نہ رکھتے۔ البتہ جب آپ کے پاس تحفہ آتا تو انہیں بلا بھیجتے اور خود بھی اس میں سے کچھ کھاتے اور انہیں بھی شریک کرتے۔ چنانچہ مجھے یہ بات ناگوار گزری اور میں نے سوچا کہ یہ دودھ ہے ہی کتنا کہ سارے صفہ والوں میں تقسیم ہو، اس کا حقدار میں تھا کہ اسے پی کر کچھ قوت حاصل کرتا۔ جب صفہ والے آئیں گے تو آنحضرت ﷺ مجھ سے فرمائیں گے اور میں انہیں اسے دے دوں گا۔ مجھے تو شاید اس دودھ میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حکم برداری کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ میں ان کے پاس آیا اور آنحضرت ﷺ کی دعوت پہنچائی، وہ آ گئے اور اجازت چاہی۔ انہیں اجازت مل گئی پھر وہ گھر میں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اباہر! میں نے عرض کیا لبیک، یا رسول اللہ! فرمایا لو اور اسے ان سب حاضرین کو دے دو۔ بیان کیا کہ پھر میں نے پیالہ پکڑ لیا اور ایک ایک کو دینے لگا۔ ایک شخص دودھ پی کر جب سیراب ہو جاتا تو مجھے پیالہ واپس کر دیتا پھر دوسرے شخص کو دیتا وہ بھی سیراب ہو کر پیتا پھر پیالہ مجھ کو واپس کر دیتا اور اسی طرح تیسرا پی کر پھر مجھے پیالہ واپس کر دیتا اس طرح میں نبی کریم ﷺ تک پہنچا لوگ پی کر سیراب ہو چکے تھے۔ آخر میں آنحضرت ﷺ نے پیالہ پکڑا اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر آپ ﷺ نے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا، اباہر! میں نے عرض کیا، لبیک، یارسول اللہ! فرمایا، اب میں اور تم باقی رہ گئے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور پیو۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے دودھ پیا اور آنحضرت ﷺ برابر فرماتے رہے کہ اور پیو آخر مجھے کہنا پڑا، نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اب بالکل گنجائش نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھر مجھے دے دو، میں نے پیالہ آنحضرت ﷺ کو دے دیا آپ ﷺ نے اللہ کی حمد بیان کی اور بسم اللہ پڑھ کر بچا ہوا خود پی گئے"۔

آج فحاشی و عریانیت اور حیاسوز ذرائع ابلاغ ہر گھر اور خاندان کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ بے شمار رسائل و جرائد اور اخبارات بے حیائی کو فروغ دے رہے ہیں۔ انٹرنیٹ پر اَن گنت حیاسوز ویب سائٹس موجود ہیں جن تک ہر نوجوان کی رسائی با آسانی ہو جاتی ہے۔ گھر سے لے کر کالج تک اور کالج سے لے کر بازار تک بے حیائی پر مبنی ماحول کا سامنا ہے۔ ایسا معاشرہ اور فضا نوجوان کی جنسی خواہشات کو برانگیختہ کر دیتی ہیں۔ بے حیائی اخلاق باختگی ایک ایسی وبا ہے جو بڑی تیزی کے ساتھ اپنے اثرات دکھا رہی ہے جس کی بدولت آج نوجوانوں میں خوف تناؤ، ذہنی اور نفسیاتی پریشانیاں دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں۔ برائیوں، پریشانیوں بے حیائی اور فحاشی اور رذائل اخلاق دیمک کی طرح نوجوانوں کو کھائے جا رہے ہیں۔ اطمینانِ قلب، تطہیر ذہن، حیاپسندی، پاک دامنی اور حُسن اخلاق سے نوجوانوں کو متصف کرنا وقت کا ایک تجدید

ی کام ہو گا کہ امت کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقے میں اسلام کی اساسیات اور اس کے نظام و حقائق اور رسالت محمدی ﷺ کا وہ اعتماد واپس لایا جائے جس کا رشتہ اس طبقے کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ آج کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ اس فکری اضطراب اور اِن نفسیاتی اُلجھنوں کا علاج بہم پہنچایا جائے جس میں آج کا تعلیم یافتہ نوجوان بُری طرح گرفتار ہے اور اس کی عقلیت اور علمی ذہن کو اسلام پر پوری طرح مطمئن کر دیا جائے۔

آپ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے کہ:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ، سَمِعَ أَبَا حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ " مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ ".[33]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لئے جو شخص دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز (زبان) اور دونوں ٹانگوں کے درمیان کی چیز (شرمگاہ) کی ذمہ داری دیدے میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری دیتا ہوں"۔

اسلام نہ صرف برائیوں کو قابو میں کرنا چاہتا ہے بلکہ ان کا قلع قمع بھی کرتا ہے جن میں نوجوان طبقہ مبتلا ہے۔ اسلام نے برائیوں سے دور رہنے کی سخت تاکید کی ہے۔ اب اگر برائیوں کو جاننے اور اس کے انجام بد سے باخبر ہونے کے باوجود اجتناب نہیں کریں گے تو گمراہی کے دلدل میں ہماری نوجوان نسل دھنستی چلی جائے گی۔ ایسے کئی مسائل کا شکار ہمارا نوجوان طبقہ ہے یہاں یہ کہنا بجا ہو گا کہ اس میں سب سے زیادہ عمل دخل والدین کی ناقص تعلیم و تربیت ہے جو نوجوان بھی اس ناقص تعلیم و تربیت کا شکار ہو گا لازمی طور سے مسائل اور اُلجھنوں میں مبتلا ہو گا۔ ایک نوجوان کی اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے والدین کی تعلیم و تربیت سے محروم رہ جائے اور اس کی صحیح رہنمائی کرنے میں کوتاہی یا بے اعتنائی برتی جائے۔

اسلام نے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے ساتھ ساتھ ماں باپ پر یہ بھی ذمہ داری عائد کی ہے کہ ان کو تعلیم و تربیت اور اسلام کی اساسی تعلیمات سے روشناس کرا کے صحت مند معاشرے کے لیے بہترین اور کار آمد افراد تیار کریں۔ جہاں ماں باپ کو اس بات کے لیے مکلف ٹھہرایا ہے کہ سات سال سے ہی بچوں کو نماز کی تلقین کریں ان کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کا مناسب وقت پر نکاح کا اہتمام کریں

کیونکہ یہ ان کے بچوں کی عزت وعصمت اور پاک دامنی کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے کہ:

عن علقمة، قال بينا أنا أمشي، مع عبد الله ــ رضى الله عنه ــ فقال كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم فقال "من استطاع الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم، فإنه له وجاء".[34]

ترجمہ: "علقمہ نے بیان کیا کہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے ساتھ جارہا تھا۔ آپ نے کہا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی صاحب طاقت والا ہو تو اسے نکاح کرلینا چاہئے کیوں کہ نظر کو نیچی رکھنے اور شرمگاہ کو بدفعلی سے محفوظ رکھنے کا یہ ذریعہ ہے اور کسی میں نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تو اسے روزے رکھنے چاہئیں کیوں کہ وہ اس کی شہوت کو ختم کردیتا ہے"۔

آپ ﷺ کی تربیت اولاد:

آپ ﷺ اپنی اولاد وں سے انتہائی شفقت سے پیش آتے ان کی ضروریات کھانے،رہنے،کپڑے وغیرہ کا انتظام فرماتے لیکن ان تمام تر شفقتوں اور محبتوں کے باوجود آپ ﷺ انہیں نظم وضبط کی خلاف ورزی کرنے اور بے پروائی کے راستے پر چلنے کی اجازت نہ دیتے اور انہیں ہر قسم کی اخلاقی اور دینی کمزوری کے شکار ہونے سے بچانے کے لئے انتہائی باریکی سے پوری کوشش فرماتے اور انہیں اخروی زندگی کے لئے تیار فرماتے۔ اسی طرح آپ ﷺ جن سے بھی محبت فرماتے انہیں اس محبت کے تقاضے کے تحت دنیا کی گندگی سے دور اور پاک رکھتے ،ان کی نگاہیں اور توجہ عالم آخرت کی طرف پھیرتے اور انہیں وہاں اپنی رفاقت کے لئے تیار کرتے ،کیونکہ آخرت میں ہر انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہوگی۔

عن أبي موسى ، قال قيل للنبي صلى الله عليه وسلم الرجل يحب القوم ولما يلحق بهم قال المرء مع من أحب . تابعه أبو معاوية ومحمد بن عبيد.[35]

"حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا ایک شخص ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے لیکن اس سے مل نہیں سکا ہے ؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انسان اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے "۔

آج کل بعض حضرات اپنے اولاد کی ہر جائز وناجائز خواہش کی تکمیل کر نے میں مصروف رہتے ہیں مگر رسول اللہ ﷺ کی اپنی چہیتی لخت جگر کی تربیت کا ایک منظر ملاحظہ کریں۔

قال حدثنا علي ، أن فاطمة ، عليها السلام شكت ما تلقى من أثر الرحا ، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم سبي ، فانطلقت فلم تجده ، فوجدت عائشة ، فأخبرتها ، فلما جاء النبي صلى الله عليه وسلم أخبرته عائشة بمجيء فاطمة ، فجاء النبي صلى الله عليه وسلم إلينا ، وقد أخذنا مضاجعنا ، فذهبت لأقوم فقال على مكانكما . فقعد بيننا حتى وجدت برد قدميه على صدري وقال ألا أعلمكما خيرا مما سألتماني إذا أخذتما مضاجعكما تكبرا أربعا وثلاثين ، وتسبحا ثلاثا وثلاثين ، وتحمدا ثلاثة وثلاثين ، فهو خير لكما من خادم .[36]

"ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا ، کہا ہم سے غندر نے بیان کیا ، کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا ، ان سے حکم نے ، انہوں نے ابن ابی لیلیٰ سے سنا ، کہا ہم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (نبی کریم ﷺ سے) چکی پیسنے کی تکلیف کی شکایت کی ، اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آئیں لیکن آپ موجود نہیں تھے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی ملاقات ہوئی تو ان سے اس کے بارے میں انہوں نے بات کی جب حضور ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے کی اطلاع دی ، اس پر آنحضرت ﷺ خود ہمارے گھر تشریف لائے ، اس وقت ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے تھے ، میں نے چاہا کہ کھڑا ہو جاؤں لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ یوں ہی لیٹے رہو ، اس کے بعد آپ ہم دونوں کے درمیان بیٹھ گئے اور میں نے آپ ﷺ کے قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی ،۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھ سے جو طلب کیا ہے کیا میں تمہیں اس سے اچھی بات نہ بتاؤں ، جب تم سونے کے لیے بستر پر لیٹو تو چونتیس مرتبہ اللہ اکبر ، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس مرتبہ الحمدللہ پڑھ لیا کرو ، یہ عمل تمہارے لیے کسی خادم سے بہتر ہے"۔

"اسی طرح حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گردن میں سونے کی زنجیر پہنے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:اے فاطمہ! کیا تم اس وجہ سے دھوکے میں مبتلا ہو کہ لوگ کہتے ہیں کہ:یہ رسول اللہ کی بیٹی ہے۔اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس سونے کی زنجیر کو بیچ کر اس سے حاصل ہونے والے روپئے سے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا"۔[37]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے سونا پہننا ناجائز نہ تھا لیکن آپ ﷺ اپنی بیٹی کو اللہ کی ان خاص بندیوں میں رکھنا چاہتے تھے جو دنیا کی زیب وزینت چھوڑ کر صرف رضائے الٰہی میں اپنی زندگی گزارتی ہیں۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج لوگ اپنی بیٹیوں کو انگریزی لباس پہنتے ہوئے دیکھتے ہیں جس میں ان کے بدن کا ہر نشیب وفراز جھلکتا ہے۔ وہ سراپا گناہ کی دعوت بنی آزاد گھومتی پھرتی ہیں مگر ہماری زبان سے ایک لفظ بھی ان کے خلاف نہیں نکلتا بلکہ ہم خود انہیں ایسے لباس لا کر دیتے ہیں اور اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔جب کہ آقائے کریم ﷺ نے یہاں تک کہ ارشاد فرمایا کہ:وہ عورتیں جو چست لباس پہنتی ہیں وہ کپڑا پہن کے بھی ننگی ہیں۔وہ خود حق راستے سے ہٹی ہوئی ہیں اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے ہٹانے والی ہیں۔وہ جنت میں نہیں جائیں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی نہیں پائیں گی جبکہ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت تک جائے گی۔[38]

تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کسی قوم کے نوجوان عیش پسندی میں مبتلا اور تعلیم وتدریس سے دور ہوئے۔ وہ قومیں صفحہ ءہستی سے مٹ چکی ہیں۔ جیسا کہ بنوامیہ اور بنوعباس کے آخری خلفاء جن کے ہاتھوں میں خلافت کی باگ دوڑ تھی وہ سہل پسند، نااہل اور اسلامی تعلیمات سے دور تھے۔ یہی اسباب ان کے تنزل کا سبب بنے اور پوری پوری سلطنتیں زوال پذیر ہوئیں اور ان کا نام ونشان تک مٹ گیا ہر ملک کی ترقی میں اس کے نوجوان نسل بڑااہم کردار ادا کرتے ہیں کیونکہ یہی نوجوان ملک وقوم کے معمار ہوتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوان نسل کو خود اپنے فرائض منصبی سے آگاہ ہوناچاہیئے کہ کل کو ملک کی باگ دوڑ ان ہی کے ہاتھوں میں ہوگی اور ان ہی کو ملک کا نظم نسق سنبھالناہے اس لئے انہیں تعلیم وتدریس کو اپنا شعار بناناچاہیئے۔ قلم ہی کے ذریعے انسان کی اخلاقی برتری پروان چڑھتی ہے۔"انسان اصلا ایک اخلاقی وجود ہے۔اس وجود کی حفاظت،اس کی تربیت کا اہتمام اور اس کے نشوونمااور ارتقاء کے لئے مسلسل کوشش اسلام کا بنیادی مقصد اور اس کی تعلیمات کا محور ہے۔ ذمہ داریوں کا احساس اور اس سے عہدہ برآہونا، علم وآگہی اور تعلیم وتربیت کے بغیر ممکن نہیں۔اسی بناء پر اسلام اپنے پیروکاروں کو تحصیلِ علم کے ساتھ ساتھ دین کا عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے واضح کرتا ہے کہ علم صرف سنی سنائی باتوں پر مشتمل نہیں ہوناچاہیئے بلکہ اس کا سرچشمہ تحقیق وتجربہ اور مشاہدہ کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ

کی عملی زندگی ہونی چاہیئے۔ گویا یہ علم حضرت محمد ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی عملی زندگی سے ماخوذ تعلیم و تربیت کا حسین امتزاج ہو"۔[39]

قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

ترجمہ: "اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں"۔[40]

اللہ تبارک وتعالیٰ جہالت اور اندھی تقلید کی شدید مخالفت کرتا ہے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کے ہم آہنگ ہونے پر زور دیتا ہے۔

"اسلام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس کے پیروکار اپنے عقل و شعور کا درست استعمال کرے۔ احکام الٰہی کی قدر و قیمت علم کے بغیر ناممکن ہے۔ علم رکھنے والا شخص ہی اپنے حقوق و فرائض کی بجا آوری درست انداز میں کر سکتا ہے اور اپنی نوجوان نسل کو بھی اس کی تلقین کر سکتا ہے اسی طرح اسلامی تعلیمات کے اصولوں کے مطابق ایک تربیت یافتہ معاشرہ وجود میں آسکتا ہے جس میں بہترین نسل پروان چڑھ سکتی ہے۔ آسان الفاظ میں ایک نسل کا اپنے تجربات کو آنے والی نسل کی طرف منتقل کرنا تعلیم کہلاتا ہے۔ لیکن تعلیم صرف سیکھنے سکھانے کا نام نہیں ہے بلکہ حقیقتاً یہ ایک معاشرتی عمل ہے جس کی وجہ سے ایک معاشرہ اپنا حیاتیاتی تسلسل بھی قائم رکھ سکتا ہے اور تہذیبی تسلسل بھی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسلامی تعلیمات درحقیقت انسانی ضروریات اور دلچسپیوں کی تہذیب ہے اور اس طرح صحیح تعلیم وہی ہوگی جو اسلامی معتقدات کی روشنی میں مقصدِ حیات اور فرائضِ خلافت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے نئی نسل میں بیداری کا شعور پیدا کرے اور جو "ینفع الناس" کے معیار پر پورا اترتی ہو۔ اسلام علم کے ساتھ عمل صالح کی بیداری بھی فرد اور نوجوان نسل میں ضروری سمجھتا ہے تاکہ تعلیم کے اس تہذیبی شعور سے نوجوانوں میں تزکیہ نفس، نظام عبادات اور تربیتی ماڈل میں نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد فی سبیل اللہ کی صفات پیدا ہوں اسلام ان عقائد پر مبنی ایک مکمل نظامِ حیات دیتا ہے روحانی، اخلاقی، عائلی، معاشرتی، معاشی، سیاسی، قانونی، تعلیمی، ادبی، ثقافتی، غرض ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی دیتا ہے تاکہ ہر فرد کی اخلاقی اصلاح ہو سکے[41]۔ حضور ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں یہی پیغام ارشاد فرمایا:

" میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں، جن کے بعد تم گمراہ نہیں ہو سکتے۔ ایک اللہ کی کتاب، دوسری میری سنت"۔[42]

"نوجوانوں کی تربیت کے حوالے سے اس نقطہ کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ انسانی فطرت کے اندر حیوانی داعیوں کو ابھرنے سے روکنے والی چیز اسلامی اخلاقیات ہیں۔ سید مودودی لکھتے ہیں کہ: "خالق نے انسان کے اندر بھلائی اور برائی دونوں کے میلانات اور محرکات رکھ دیئے ہیں اور الہامی طور پر اسے ان دونوں کا فرق سمجھا دیا کہ ایک فجور ہے اور وہ بری چیز ہے اور دوسرا تقویٰ ہے اور وہ اچھی چیز ہے۔ نفس انسانی کو ایک ہموار و مستقیم فطرت پر پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے اس کا فجور اور اس کا تقویٰ اس پر الہام کر دیا لیکن وحی کے ذریعے انبیاء کو مفصل ہدایت دی، اسی کے تحت انسان کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ فجور کا اطلاق کن کن چیزوں پر ہوتا ہے جن سے بچنا چاہیئے اور تقویٰ کس چیز کا نام ہے اور وہ کیسے حاصل ہوتا ہے۔

اسلام کا تقاضا ہے کہ انسان خاص کر نوجوان اپنی ذات، خداداد صلاحیتوں، مظاہر کائنات کی حقیقت اور خالقِ کائنات سے آگاہی حاصل کرے، اور پھر اپنے روزمرہ امور میں بنیادی تعلیمات کو عمل میں لائے تا کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نائب اور ملک و قوم کے معمار کی حیثیت سے اپنے حقوق و فرائض کی تکمیل کے قابل ہو سکے"۔[43]

حضور ﷺ نے جزیرۃ العرب میں جو علمی تحریک چلائی تھی اس کا ایک اہم محاذ بچوں اور نئی نسل کی تعلیم و تربیت تھی۔ آپ ﷺ نے والدین پر یہ ذمہ داری عائد کر دی کہ وہ بہر صورت اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے۔

قرآن پاک میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا۔[44]

ترجمہ: " اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو آگ سے بچاؤ"۔

جس کا مطلب صحابہ ء کرام کے نزدیک یہ تھا کہ اپنی اولاد کو علم سکھاؤ، تعلیم دو اور انہیں آدابِ زندگی دو تا کہ وہ اچھے مستقبل کے اچھے نوجوان بن سکے۔

یعنی جو شخص اپنی اولاد کی تربیت بہتر انداز میں نہ کر سکے اس کی مثال ایسی ہے کہ اس نے اپنی اولاد کو کھو دیا ہو۔ بچے ملک و ملت کے مستقبل کے معمار اور محافظ ہوتے ہیں۔ بچوں ہی نے بڑے ہو کر ملک و قوم کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا ہوتا ہے۔ اس لئے بچوں کی تعلیم و تربیت بیحد ضروری اور سب سے مقدم ہوتی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو معاشرہ کی پہلی بنیاد والدین ہیں جن کے باہمی تعلق سے اولاد وجود میں آتی ہے پھر یہ والدین اور اولاد مل کر ایک حصار قائم کرتے ہیں اس حصار کو خاندان کہا جاتا ہے۔ پھر اسی طرح

کے چند خاندانوں سے معاشرہ وجود میں آتا ہے، معاشرہ کی فلاح و بہبود کا انحصار ایک بہترین قوم پر ہوتا ہے اگر نئی نسل بہترین ہو گی تو عمدہ معاشرہ وجود میں آئے گا اور اگر نئی نسل تساہل پسند اور تعلیم سے بے بہرہ ہو گی تو ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جہاں مساوات، عدل وانصاف، رواداری، اخوت، امن وامان، خوشحالی وغیرہ کا فقدان ہو گا۔

آج اگر نوجوان اخلاقی طور پر زبوں حالی کا شکار ہیں تو یہ تربیت کی کمی ہے۔ معاشرہ میں کرپشن، جھوٹ، فریب، فساد، رشوت ستانی، قتل وغارت گری اور ناانصافی کی بڑی وجہ تعلیم وتربیت میں ہم آہنگی کی کمی ہے۔ اپنی بقاء اور استحکام کے لئے ہمیں اپنی نئی نسل کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کی آفاقی تعلیمات سے بھی روشناس کرنا چاہیئے اور ان کو اسوہ حسنہ پر چلنے کی تلقین کرنی چاہیئے، اور نیکی کی ترغیب اور برائی سے دور رہنے کی عملی تربیت دینی چاہیئے یعنی جھوٹ، چغلی، عیب جوئی، بددیانتی، حسد اور کینہ پروری سے روکنا چاہیئے۔ امید ہے کہ یہی بچے جب کل کو جوان ہوں گے تو ایک بہتر قوم کی صورت میں سامنے آئیں گے اور جب ان کے ہاتھوں میں ملک کا انتظام آئے گا تو یہ اپنے فرائض بخوبی اور احسن طریقے سے ادا کرسکیں گے۔

حوالہ جات وحواشی

---

[1] ۔مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہو، 1995، ص28۔

[2] ۔القرآن: الانعام، آیت17۔

[3] ۔القرآن: الطلاق، آیت1۔

[4] ۔القرآن: المائدہ، آیت54۔

[5] ۔وزیر علی، تاریخ اسلام،، علی بک ڈپو، کراچی، 1965، ص188۔

[6] ۔مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری، الرحیق المختوم، المکتبہ السلفیۃ، لاہور، س ن، ص 142۔

[7] ۔وزیر علی، تاریخ اسلام، علی بک ڈپو، کراچی، 1965 ص199۔

[8] ۔المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم، واٗما قصۃ اعتزال محمد بن مسلمۃ الأنصاری عن البیعۃ، حدیث: 4695۔

[9] ۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی ،، الجامع الصحیح، أبواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب، حدیث: 3741، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 2006ء/334

[10] ۔نہج البلاغہ، خطبہ 192-

[11] ۔ نہج البلاغہ ، مکتوب 62۔

[12] ۔مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری، الرحیق المختوم، المکتبہ السلفیتہ، لاہور، س ن، ص 145۔

[13] ۔صاحبزادہ عبدالرسول، تاریخ اسلام، ایجوکیشنل پبلشرز، لاہور، س ن، ص 281۔

[14] ۔سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، 2008، جلد اول، ص 703۔

[15] ۔التبریزی، محمد بن عبداللہ خطیب، مشکوۃ المصابیح ۔ جلد پنجم۔ یمن اور شام اور اویس قرنی کے ذکر کا باب۔ حدیث 962۔

[16] ۔سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور ، 2008، جلد اول ، ص 3111-2111۔

[17] ۔ایضا، ص 1130۔

[18] ۔ منشی محبوب عالم، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل ناشران و تاجران، لاہور 2005ء، ص 674۔

[19] ۔سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور ، 2008، جلد اول ، ص 3116۔

[20] ۔ تاریخ ہندو پاکستان، فیروز سنز، کراچی، جلد دوم، ص 16، 94، 76-96۔

[21] ۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، 2008، جلد اول، ص 378۔

[22] ۔سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، محولہ بالا، ص 1801-1810۔

[23] ۔ صاحبزادہ عبدالرسول، تاریخ اسلام، محولہ بالا، ص ۲۳۲، ۴۵۲۔

[24] ۔ تاریخ ہندو پاکستان، فیروز سنز، کراچی، جلد دوم، ص ۹۴، ۵۰۔۱۵،۔

[25] ۔ صاحبزادہ عبدالرسول، تاریخ اسلام، محولہ بالا، ص 279۔282، 288۔

[26] ۔ایضا، ص 361-304، 371۔

[27] ۔ایضا، ص 327۔326۔

[28] ۔مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1960، ص 535-533۔

[29] -سید عین الحق، خلافتِ عباسیہ اور فاطمینِ مصر، جاوید پریس کراچی، 1946ء، ص69،68، 15،70-

[30] -UNFPA, THE POWER OF 1.8 BILLION, state of world population 2014

[31] -ترمذی، باب قیامت کے بیان میں، حدیث نمبر2416-

[32]-. بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری،: کتاب الرقاق، حدیث نمبر 6452، دار الکتب العلمی ۃ، بیروت، 456/2004-

[33]-بخاری: کتاب الرقاق، حدیث نمبر6474-

[34]- القشیری، ابوالحسین مسلم بن الحجاج، صحیح المسلم ، کتاب النکاح، حدیث نمبر 2471، دار الکتاب العربی ، 635/2004-

[35] - بخاری، کتاب الادب، حدیث : 6170-

[36] -بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، حدیث : 5037-

[37] -النسائی، احمد بن شعیب، سنن النسائی ،کتاب الزینۃ، حدیث:4015، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 678/2005-

[38] -مسلم، کتاب اللباس وزینہ، حدیث: 2128-

[39] -سیرت النبی ﷺ کانفرنس 1432ہجری، 2011ء مقالاتِ سیرت (خواتین)، کیپٹن قرۃ العین، وزارتِ مذہبی امور، اسلام آباد، ص100-

[40] -القرآن، سورۃ فاطر، آیت28-

[41] -سیرت النبی ﷺ کانفرنس 1432ہجری، 2011ء مقالاتِ سیرت (خواتین)، کیپٹن قرۃ العین، وزارتِ مذہبی امور، اسلام آباد، ص103-

[42] -صاحبزادہ عبدالرسول، تاریخِ اسلام، نحولہ بالا، ص87-

[43] -سیرت النبی ﷺ کانفرنس 1432ہجری، 2011ء مقالاتِ سیرت (خواتین)، کیپٹن قرۃ العین، وزارتِ مذہبی امور، اسلام آباد، ص103-

[44] -القرآن، سورۃ التحریم، آیت6-